

وقائع

صاحبزادہ ساجد الرحمن

قاہرہ کا ایک مطالعاتی سفر

گذشتہ ماہ جنوری میں ،،المجلس الاعلیٰ للشؤون الدینیہ بالقاہرہ کی جانب سے پاکستان کے تین دینی رسائل کی ادارت سے وابستہ ارکان کو قاہرہ کے دورہ کی دعوت دی گئی ، جن میں دو اہل علم مولانا یوسف لدھیانوی (بینات کراچی) اور جناب زاہد اشرف (المنبر) ، فیصل آباد کے علاوہ زاقم الحروف بھی شامل تھا۔ بعض وجوہ کی بناء پر مولانا یوسف لدھیانوی صاحب یہ سفر اختیار نہ کر سکے ، اور ہم ان کی صالح صحبتوں کے فیضان سے محروم رہے۔ دفتری اور رسمی کاروائیوں کی تکمیل کے مراحل طے ہوتے ہوئے دو تین ماہ گذر گئے اور یوں ایک ماہ قبل یعنی ۱۲ مئی ۱۹۸۶ء (۲ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ) کو سفر قاہرہ کیلئے روانگی ممکن ہوئی۔ جناب زاہد اشرف صاحب سے بدستور رابطہ تھا اس لئے تاریخ کا تعین ان کی رضا مندی سے کیا گیا۔ چنانچہ ہم کراچی کے ہوائی مستقر پر ہی اکٹھے ہو گئے اور رات تقریباً ۲ بجے پاک سر زمین سے قاہرہ کیلئے رخصت ہوئے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز کے بعد پی آئی اے کا یہ طیارہ دوبئی اترا اور ہمیں ایک گھنٹے کیلئے ہوائی اڈہ کی حدود کے اندر گھومنے کا موقعہ ملا۔ ائیرپورٹ کی خوبصورت عمارت ، ڈیوٹی فری شاپنگ سنٹر اور دیگر سامان آرائش

و زینت تیل کی دولت کے بھر پور مظاہر تھے۔ دوکانوں پر تقریباً سو فیصد خواتین کام کر رہی تھیں اور کھلے عام شراب فروخت ہو رہی تھی، البتہ ایک کونے میں تصاویر، پینٹنگز کے ذریعے عربی اسلامی تہذیب کے آثار مسافروں کو اس امر کی جانب متوجہ کر رہے تھے کہ خبردار! تم اس وقت ایک مسلمان ملک کی سر زمین پر کھڑے ہو۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد دوبئی سے رخصت ہوئے اور قاہرہ کے وقت کے مطابق تقریباً سوا چھ بجے صبح (پاکستانی وقت ۱۵ - ۹) ہم قاہرہ ایئر پورٹ یعنی اپنے اس سفر کی منزل پر وارد ہوئے۔ ہوائی اڈے کی عمارت میں داخل ہونے سے پہلے صدر دروازے کے اوپر لکھی ہوئی یہ آیت کریمہ، „ادخلوا مصر ان شاء الله آمین“، ہر آنے والے مسافر کو مصر کی قدیم تاریخ اور تہذیب و ثقافت پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ ہوائی اڈے پر پاکستانی سفارتخانے کے احباب پیشوائی کے لئے تشریف لائے تھے اس لئے کسی خاص دقت کا سامنا نہیں ہوا۔ وہیں معلوم ہوا کہ سفیر پاکستان راجہ محمد ظفر الحق صاحب کے ایما پر ہمارا قیام انہی کی اقامت گاہ پر ہے، چنانچہ ہم ایئر پورٹ سے اپنی جائے قیام کو روانہ ہوئے۔ راستے کے مناظر، عمارات، لوگوں اور راہ گیروں کو دیکھ کر ہمارا ملا جلا تاثر یہ تھا کہ یہ قدیم اسلامی شہر بیک وقت، امیر بھی ہے اور غریب بھی۔ اور اس امارت و غربت میں خاصا فاصلہ ہے۔

سفیر پاکستان کی قیام گاہ جو پاکستان ہاؤس کہلاتی ہے، نیل کے کنارے واقع ہے اور جب چاہیں دائیں جانب کی کھڑکی کھول کر نیل کے خوبصورت منظر اور خنک ہواؤں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ نماز ظہر کے بعد ہم نیل کے کنارے چھل قدمی کیلئے نکلے۔ نیل کے کنارے پر ہی پولیس چھاؤنی ہے۔ یہاں ایک خوبصورت

مسجد ہے ، جسکے انتظام و انصرام کا ذمہ دار محکمہ پولیس ہے۔ ہم نے عصر کی نماز اسی مسجد میں ادا کی ، نماز عصر کے بعد امام صاحب نے ہم سے نہایت پرتپاک طریقے سے مصافحہ کیا ، بوسے دینے ، ہم سے بھی جواباً توقع رکھتے تھے مگر ہم شرما گئے (البتہ چند روز بعد جھجھک دور ہو گئی) ہمیں پہلے ہی دن ان پہلے مولانا سے ملاقات کے بعد اندازہ ہو گیا کہ راجہ ظفر الحق پاکستان کی طرح مصر میں بھی علماء کے ساتھ قریبی تعلق قائم کئیے ہوئے ہیں اور وہ اہل علم اور دینی حلقوں میں قدر و منزلت اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ۔

شام کو ہمیں مصر سے متعلق مختصر بریفنگ دی گئی ، بتایا گیا کہ اس وقت مصر ترقی کی راہ پر تیزی کے ساتھ گامزن ہے۔ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے بعد مصر اپنی ساری توانائی تعمیر و ترقی پر صرف کر رہا ہے۔ اور اس وقت اسرائیل کے بعد مصر کو امریکہ کی طرف سے سب سے زیادہ امداد دی جا رہی ہے اور مصری اس امداد کو دانشمندی اور تنظیم کے ساتھ استعمال میں لا رہے ہیں ۔ چنانچہ صنعتی و زرعی میدان میں بے پناہ ترقی ہو رہی ہے۔ ہم نے بچشم خود تعمیراتی کاموں کی تیز رفتاری کا مشاہدہ کیا ۔ یہ بھی سنا کہ مصر میں کوئی چوری کوئی car Lifting نہیں ۔ تین تین سال لوگ گھروں سے باہر رہتے ہیں اور ان کے گھر محفوظ رہتے ہیں ۔

ایک نہایت اہم بات جو اس بریفنگ کے دوران سامنے آئی وہ ہمارے عمائدین حکومت کیلئے توجہ طلب ہے : بتایا گیا کہ مصری کابینہ میں نمائندگی متعلقہ وزارت کے امور میں تجربہ ، قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔ نمائندگی برائے نمائندگی کا کوئی تصور نہیں ۔

قاہرہ میں تراویح کی پہلی نماز ہم نے ۱۳ مئی (یعنی ۱۳ / رمضان المبارک) کو الجامع الازہر میں ادا کی ۔ اسلامی علوم کا

ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے یہ خواہش ہمیشہ رہی کہ کبھی خدا موقعہ دے تو مسلمانوں کی اس عظیم درسگاہ کو دیکھا جائے۔ آج اس خواہش کی تکمیل پر دل میں ایک عجیب سرور کی کیفیت تھی۔ الجامع الازھر جو الازھر کی قدیم جامعہ بھی ہے، ایک بہت بڑی مسجد ہے۔ جگہ جگہ سے مرمت طلب ہے۔ نامعلوم وجوہ کی بناء پر اسکی مرمت نہیں کی گئی، اسکی یہ قدامت خود اپنی تاریخ بیان کر رہی ہے۔ مسجد میں پہنچے تو میری نظریں طہ حسین کی ایام کی ورق گردانی کرنے لگیں۔ مسجد کے چاروں طرف کے برآمدے تدریس کے لئے استعمال ہوتے آئے ہیں، طہ حسین کے زمانے میں یہاں چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس ہوئی تھی آج ان برآمدوں میں چھوٹی چھوٹی کرسیاں اور میزیں بچھی ہیں۔ جبکہ الازھر کا نیا کیمپس ہماری جدید ترین یونیورسٹیوں کی طرز پر ہے، اسکے باوجود دعوت کی کلاسیں اسی مسجد کے برآمدوں میں ہوتی ہیں۔

قاہرہ میں ۶۰ فیصد شافعی المسلک اور ۴۰ فیصد حنفی ہیں۔ اکثر و بیشتر مساجد میں تراویح کی آٹھ رکعتیں ہی ادا کی جاتی ہیں لیکن ازھر میں بیس رکعتیں ادا کی جاتی ہیں۔ دوران نماز مختصر آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ تین آیات سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ ہمارے لئے یہ امر خاصا تعجب کا باعث ہوا کہ دنیائے اسلام کی اس عظیم درسگاہ کی جامع مسجد میں جو شہر کے عین وسط میں واقع ہے نمازیوں کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ نہ تھی۔ نماز تراویح کے بعد امام صاحب سے ملاقات ہوئی۔ خوش وضع، ڈاڑھی اور مونچھوں سے بے نیاز امام صاحب نے ٹھنڈے مشروب سے ہماری تواضع کی۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ہم نے قیام قاہرہ کے دوران میں مصر کی کسی مسجد کا کوئی امام یا خطیب باریش نہیں دیکھا، کوئی اور صاحب اس جستجو میں کامیاب ہو گئے ہوں تو میری محرومی کو میری کوتاہ نظری پر محمول کیا جائے

نماز تراویح کے بعد مسجد حسین دیکھنے گئے یہ خوبصورت مسجد ازھر سے بالکل قریب ہے، تزیین و آرائش کے لحاظ سے مصر کی مساجد میں نمایاں ہے۔ یہاں نمازیوں کا خاصا ہجوم تھا، مسجد کے باہر بھی مردوں اور خواتین کا بے پناہ ازدھام تھا۔ مسجد سے ملحق حضرت حسینؑ کے سر مبارک کا مزار بنا ہوا ہے۔ تاریخی اعتبار سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا مصر پہنچنا متحقق نہیں، لیکن بہر حال اس نام سے یہ مزار وہاں پر موجود ہے۔ جہاں زائرین نہایت کثیر تعداد میں حاضری دیتے ہیں، خاصی تعداد میں لوگ مزار کے اردگرد تلاوت کلام پاک میں مصروف تھے۔ ان چند ایام میں محسوس ہوا کہ مصر میں تصوف کا حلقہ نہایت وسیع ہے، مزارات پر حاضری، مزارات کا احترام، اور صوفیہ سے عقیدت کے مظاہر ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ مسجد حسینؑ سے ملحق ایک وسیع و عریض ہال میں کسی سلسلہ کے بزرگ اپنے عقیدتمندوں کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے بڑی تعداد میں خواتین و حضرات کا مجمع تھا۔ خواتین اسکرٹ پہنے حلقہ میں جاتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کر رہی تھیں۔ مسجد وسط شہر میں ہے باہر میلہ کا ساسمان تھا، مرد عورت بچے بوڑھے ہر طرف لوگ ہی لوگ نظر آ رہے تھے، معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کے دوران قاہرہ میں اکثر لوگ رات کو جاگتے ہیں اور نماز فجر کے بعد سو جاتے ہیں، بازار ساری رات کھلے رہتے ہیں اور خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مصری لباس پر فرانسیسی تہذیب کے بے پناہ اثرات نظر آتے ہیں حالانکہ فرانسیسی حکمرانوں کا قیام یہاں صرف تین سال رہا۔ تقریباً نوے فیصد خواتین اسکرٹ پہنتی ہیں۔ سر ڈھانکنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ مرد تقریباً ۱۰۰ فیصد کوٹ پتلون پہنتے ہیں۔ اختلاط مرد و زن کوئی عیب نہیں۔ مرد اور عورت کا بانہوں میں بانہیں ڈال کر چلنا ایک مقبول انداز ہے۔

۱۳ / اکتوبر کو ہماری راہنمائی کیلئے ہمارے سفارتخانے کے ایک عربی دان رکن جناب طاہر بٹ صاحب ہمارے ساتھ ہوئیں۔ ان کے علاوہ ،، المجلس الاعلى للشئون الدينية ،، کی جانب سے ایک پروٹوکول آفیسر جناب عطیہ صاحب کا تعاون بھی حاصل ہو گیا۔ اسی روز ہماری ملاقات مصر کے کثیر الاشاعت مجلہ اکتوبر کے نائب مدیر جناب عبدالوارث سے ان کے دفتر میں کرائی گئی اس ہفت روزہ کی اشاعت سوا لاکھ کے لگ بھگ ہے اور ادارتی کارکنوں کی تعداد ۱۰۰ سے متجاوز ہے۔ ابتدائی تعارف کے بعد جناب وارث صاحب نے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تحریک انقلاب اسلامی سے متعلق اپنے اعتراضات شروع کر دیئے۔ مولانا کے ہاں اسلامی انقلاب کی اصطلاح کے تکرار سے وہ خاصے برہم نظر آ رہے تھے۔ ہمارے لئے یہ حیران کن بات تھی کہ مولانا کے خیالات و نظریات سے متعلق خاصی معلومات کے باوجود انہیں مولانا کی وفات کی اطلاع نہیں تھی۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی اس نشست میں پاکستان میں عربی زبان کی ترویج، پاکستان میں پائے جانے والے مختلف مکاتب فکر اور اس طرح کے دیگر موضوعات زیر بحث رہے۔ اس دوران یہ انکشاف ہوا کہ استاذ عبدالوارث کی معلومات کے مطابق پاکستان میں اسماعیلیوں کی اکثریت ہے۔

اسی روز ہم نے مسجد سلطان پاشا، مسجد الرفاعی اور مسجد محمد علی کے علاوہ قلعہ صلاح الدین ایوبی بھی دیکھا۔ یہ مصر کا واحد وسیع و عریض اور عظیم الشان قلعہ ہے۔ ترکی طرز پر تعمیر کی جانے والی مسجد محمد علی بھی نہایت خوبصورت ہے۔ اسی شام رات ساڑھے دس بجے ہمارے میزبان سپریم کونسل برائے امور دینیہ کے چیئرمین اور وزیر اوقاف جناب ڈاکٹر احمدی ابو النور سے ملاقات کیلئے وقت مقرر تھا۔ ہم نماز تراویح سے فراغت کے بعد جناب طاہر بٹ صاحب اور استاذ عطیہ کے ہمراہ وقت مقررہ پر

مجلس کے دفتر میں پہنچے۔ اس مجلس میں مختلف اسلامی ممالک کے اہل علم کو نمائندگی دی گئی ہے اور اس وقت مصر میں پاکستانی سفیر راجہ محمد ظفر الحق صاحب بھی اس مجلس کے رکن ہیں ، جناب ڈاکٹر احمدی ابو النور صاحب سے ہم بے حد متاثر ہوئے۔ وہ نہایت صاحب علم اور خوش خلق انسان ہیں۔ تقریباً چھ سات سال تک الازھر میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ موصوف علامہ اقبال سے بے حد متاثر ہیں۔ ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ اقبال اور فکر اقبال سے متعلق تھا۔ مصر میں اب ایسے لوگوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جو پاکستان سے گہری محبت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں میں جناب احمدی ابو النور سرفہرست ہیں۔ ان حضرات میں جناب عزالدین شرف کا نام بھی نمایاں ہے جو کئی سال اسلام آباد میں مصر کے سفیر کے طور پر متمکن رہے ہیں ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ پاکستان کی تعریف و توصیف پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ مصر میں پاکستان کے نقطہ نظر کو جس طرح پیش کرتے ہیں اسکے لئے پوری پاکستانی قوم کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ جناب احمدی ابو النور صاحب کو صدر پاکستان نے دورہ پاکستان کی دعوت دی ہوئی ہے اور مستقبل قریب میں وہ پاکستان تشریف لانے کی خواہش رکھتے ہیں۔

۱۵/ مئی کو تقریباً گیارہ بجے ہم فضیلہ الشیخ ، شیخ الازھر سے

ملاقات کیلئے ان کے دفتر میں حاضر ہوئے ، شیخ الازھر جناب جادالحق علی جاد الحق جو اپنے منصب کی رعایت سے الامام الاکبر کے لقب سے معروف ہیں ، بہت بارعب شخصیت ہیں۔ انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے ہمیں خوش آمدید کہا ، معانقہ فرمایا اہلاً و سہلاً ، شرفتم القاہرہ ، نورتم القاہرہ کے پر خلوص جملوں سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ گفتگو کے آغاز میں ، میں نے ادارہ تحقیقات اسلامی اور ادارہ سے شائع ہونے والے رسالوں کا تفصیلی تعارف کرایا اور بتایا کہ میں اردو رسالہ فکر و نظر سے منسلک ہوں جس پر انہوں نے اظہار

ہی ایک شامیانہ لگا ہوا تھا جہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے اور سامنے اسٹیج پر ایک قاری صاحب تلاوت کلام پاک فرما رہے تھے ، معلوم کیا تو پتہ چلا کہ قاہرہ میں بعض مساجد کے ساتھ اس طرح کے تعزیت خانے بنے ہوئے ہیں ۔ جب کسی کے عزیز کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ اس طرح کا کوئی تعزیت خانہ مختص کروا لیتا ہے ۔ ایک قاری کا انتظام کر کے وہاں چلا جاتا ہے ، قاری صاحب وہاں تلاوت فرماتے ہیں اور وہ وہیں بیٹھ کر تعزیت کیلئے آنے والوں سے ملاقات کرتا ہے ۔

سولہ مئی کو جمعہ کا دن تھا ، ہم نے مسجد الامام الشافعیؒ میں جمعہ کی نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا ۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے ہم مسجد الشافعی پہنچے جو قاہرہ سے باہر ہے اور یہاں سے دیہی علاقہ شروع ہو جاتا ہے ، وسیع و عریض مسجد اس وقت تقریباً بھر چکی تھی ۔ ہم نے سب سے پہلے دنیائے اسلام کے عظیم امام، مفکر اور فقیہ کے مزار پر حاضری دی ۔ نہایت اونچی چھت والا یہ قدیم مزار، صاحب مزار کی طرح نہایت پروقار ہے ۔ اندر داخل ہوتے ہی انسان پر ایک رعب و دبدبہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ مزار پر عقیدتمندوں کا ہجوم تھا ، فاتحہ خوانی ہو رہی تھی اور مزار سے چمٹ کر رو رو کر لوگ دعائیں مانگ رہے تھے ۔ مزار کے ساتھ لکڑی کی بنی ہوئی جالی سے میں نے اندر جھانک کر دیکھا تو کثرت سے روپے پیسے نظر آئے جو عقیدتمند اندر پھینک رہے تھے ۔ مزار شریف کی حاضری اور فاتحہ خوانی سے فارغ ہو کر ہم مسجد میں آ گئے ، اسی دوران امام صاحب نے تقریر شروع کی ۔ رمضان اور روزہ ان کا موضوع تھا ۔ نہایت زور دار خطیب تھے اور پر از اثر تقریر کر رہے تھے ۔ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد ایک جنازہ آ گیا ۔ وہیں امام صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز جنازہ کے بعد ایک نہایت طویل دعا مانگی ، یہاں یہ ذکر بھی غیر ضروری نہ ہوگا کہ میں نے

مسرت فرمایا ، اسی موقعہ پر جناب زاہد اشرف صاحب نے اپنے رسالے کا تعارف کرایا۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے لئے یہ دن ایک یادگار دن کی حیثیت رکھتا ہے کہ آج ہم دنیائے اسلام کی عظیم اسلامی درسگاہ کے شیخ کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے آنجناب سے درخواست کرتے ہیں کہ دنیائے اسلام کو آج جن مختلف النوع مسائل کا سامنا ہے ان کیلئے ہم اپنے رسائل کے ذریعے کیا موثر کردار ادا کر سکتے ہیں ، اس سلسلے میں آپ سے علمی راہنمائی کی استدعا ہے۔ جناب شیخ الازہر نے فرمایا کہ آپ ہر شمارے میں کوئی آیت قرآنی لیکر اس کا ترجمہ و تشریح اور تفسیری نکات بیان کریں اور اسی طرح احادیث میں نے عرض کیا کہ بلاشبہ یہ نہایت اہم اور بنیادی کام ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر ہمارے سینکڑوں رسائل یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ہمارا رسالہ ایک تحقیقی ادارے کا ترجمان ہے اس لئے ہم اس میں خالصتاً تحقیقی مضامین و مقالات شائع کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر جناب زاہد اشرف نے مسلمانوں کی فرقہ بندی سے متعلق جناب شیخ سے راہنمائی چاہی۔ اسلامی اخوت کے جذبہ سے سرشار ہر مومن صادق کی طرح انہوں نے بھی فرمایا کہ جب تمام فریق بنیادی عقائد اسلام پر متفق ہیں تو فروعی اختلافات کی بنیاد پر افتراق و انتشار کسی لحاظ سے بھی امت کے مفاد میں نہیں۔ اپنے اپنے مسالک پر قائم رہتے ہوئے امت کے متفقہ مقاصد کے حصول کیلئے سب کو باہم مل کر جدوجہد کرنا چاہیئے۔ جناب شیخ الازہر کی کرم فرمائی سے یہ ملاقات تقریباً پینتالیس منٹ جاری رہی۔ اسی روز بعد نماز ظہر ہم نے اہرام مصر بھی دیکھے ، جہاں یورپی سیاح کثرت سے موجود تھے۔

رات کو نماز تراویح مسجد المکرم میں ادا کی۔ مسجد کے ساتھ۔

مصر کی اکثر مساجد سے جہاں اذان سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت سنی وہاں بعض مساجد میں اذان سے پہلے اور آخر میں صلوٰۃ و سلام کی آوازیں بھی سنیں۔ لیکن یہ امر نہایت اطمینان بخش ہے کہ مصر میں کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ مسجد کس مسلک کی ہے بلاتخصیص لوگ مساجد میں جا کر اللہ رب العزت کے حضور سر بسجود ہوتے ہیں۔ مسجد سے باہر نکلے تو راجہ بازار راولپنڈی میں واقع سبزی منڈی کا سا منظر نظر آیا۔ خوانچہ فروش سبزی فروش اپنے اپنے ریڑھوں کے اوپر کھڑے ہو کر نہایت بلند آواز میں اپنے اپنے سودے کی ہانک لگا رہے تھے۔

اسی رات وزیر اوقات جناب ڈاکٹر احمدی ابو النور کی جانب سے نیل کے کنارے واقع شیفرڈ ہوٹل میں دعوت افطار دی گئی، افطار میں سپریم کونسل کے ارکان کے علاوہ سفیر پاکستان اور پاکستان میں مصر کے سابق سفیر جناب عزالدین شرف بھی شریک ہوئے۔ کھانے کے دوران پاکستان کی حالیہ سیاست سے لیکر مذہبی معاملات تک مختلف پہلو زیر گفتگو رہے، جناب عزالدین شرف صدر پاکستان کی اسلامی پالیسیوں سے متعلق خاصے جذباتی انداز میں تعریفی کلمات کہتے رہے، ان کے بقول صدر پاکستان کے تین بنیادی مقاصد ہیں:

(۱) تطبیق الشریعہ (۲) عربی زبان کی ترویج (۳) عالم اسلام کا

اتحاد بالخصوص مصر، پاکستان، اور ترکی کا مستحکم اتحاد۔

اسی نشست میں سفیر پاکستان نے جامع الازھر کی طرف وزیر موصوف کی توجہ مبذول کرائی اور تجویز پیش کی کہ وزارت اوقاف و مذہبی امور کے اراکین کو مختلف مساجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جانا چاہیئے تاکہ مساجد کی حالت بہتر بنانے کا موقع ملے۔ اسی دوران میں نے وزیر موصوف سے اپنی اور اپنے رفیق زاہد اشرف صاحب کی مختلف مزارات پر حاضری کا ذکر کیا اور وہاں پر

عقیدتمندوں کی طرف سے جو عقیدت کے مظاہر ہم نے مشاہدہ کئیے ان سے متعلق استفسار کیا کہ کیا یہ سب کچھ وزارت اوقاف کی سرپرستی میں ہوتا ہے۔ سوال تو وزیر موصوف سے تھا، مگر جواب کیلئے جناب عزالدین شرف مستعد ہو گئے، اور میں کچھ حیران سا ہو گیا، کہ جناب شرف جیسا باغ و بہار انسان یکدم لال سرخ ہو گیا اور انہوں نے نہایت جذباتی انداز میں گفتگو فرمائی، ان کا یہ ارشاد تھا کہ جب آپ اپنے اعزہ اولاد، بیوی، والدین کی محبت میں ان کو بوسہ دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس میں آپ کو کوئی شرک و بدعت نظر آتی ہے تو کیا حضرت حسینؑ اور ان جلیل القدر ہستیوں کی عزت آپ کے نزدیک اپنے اعزہ سے کم ہے کہ ان کی تعظیم میں آپ کو تردد ہے۔ ان کے اس جواب پر میرے رفیق جناب زاہد اشرف کی رگ حمیت پھڑک اٹھی، وہ مناظرے کے میدان میں اترنا ہی چاہتے تھے کہ راجہ صاحب نے فوراً مداخلت فرمائی اور کہا،، بحث نہیں۔۔ جناب شرف کے نقطہ نظر کی میز پر موجود مصری عمائدین نے بھرپور تائید کی۔

تراویح سے فراغت کے بعد نیل کے کنارے سیر کا پروگرام بنا، آزاد منش مصریوں کو نیل کی خنک ہواؤں سے لطف اندوز ہوتے دیکھا۔ غالباً گذشتہ صفحات میں بھی میں نے ذکر کیا ہے کہ مصر پر مغربی تہذیب کی گہری چھاپ ہے۔ چنانچہ خواتین اور مردوں کی دوستی، اور بانہوں میں بانہیں ڈال کر چلنا اور فرط محبت سے ایک دوسرے کا کثرت سے بوسے لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور نہ اس کا کوئی نوٹس لیتا ہے۔ ہم نے اس رات تقریباً اپنی ایک گھنٹہ کی سیر کے دوران ہر قدم پر ایسے بے شمار مناظر دیکھے۔

سترہ مئی کو ہم نے مصر کے دو کثیر الاشاعت جرائد المصور اور الاہرام کے مطبع اور دفاتر کو دیکھا، ان کے کارکنوں سے ملاقات

کی ، اور ہمیں تفصیلی معلومات سے نوازا گیا ۔ الہرام کی بلڈنگ نہایت خوبصورت اور جدید سازوسامان سے آراستہ ہے ۔ اسی شام سفیر پاکستان راجہ محمد ظفر الحق صاحب نے ہماری عزت افزائی کیلئے اپنی قیام گاہ پر دعوت افطار کا اہتمام کیا جس میں وزیر اوقاف سمیت وزارت اوقاف کے عہدیداروں اور مختلف جرائد و اخبارات کے ایڈیٹروں نے شرکت فرمائی ۔ دوران گفتگو مسئلہ افغانستان سے متعلق مصری صحافی دوستوں نے استفسار کیا جس کا جواب سفیر پاکستان نے شرح و بسط سے دیا اور مسئلہ افغانستان کے مالہ و ما علیہ پر روشنی ڈالی اور اس کے ساتھ مصری حکومت کے تعاون کا شکریہ ادا کیا ۔

۱۸ مئی کو ہم مجمع البحوث الاسلامیہ جو شہر سے باہر تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہے دیکھنے گئے ۔ متعدد خواتین و حضرات جو ہمارے خیال میں وہاں کے محققین تھے برآمدوں اور سیڑھیوں میں کھڑے مختلف موضوعات پر تبادل خیال میں مصروف تھے ۔ مجمع البحوث کی عمارت جو باہر سے خاصی متاثر کن نظر آتی ہے اندر سے نہایت خستہ حالت میں ہے ۔ فرنیچر نہایت ٹوٹا پھوٹا نظر آیا ۔ مختلف کمروں میں جھانک کر محققین کی زیارت کی کوشش کی گئی مگر کسی کو موجود نہ پایا ۔ یہاں امین (سیکرٹری جنرل) مجمع البحوث سے ملاقات ہوئی ، جو نہایت خوش خلق اور ملنسار ہیں ۔ انہوں نے بہت گرمجوشی سے ہماری پذیرائی کی اور مجمع سے متعلق معلومات فراہم کیں ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تحقیقی ذمہ داریوں کے علاوہ مجمع البحوث اس کا بھی ذمہ دار ہے کہ مصر میں کوئی دینی کتاب اسکی اجازت کے بغیر نہ داخل ہو سکتی ہے نہ چھپ سکتی ہے ۔

یہاں سے ہم مجمع البحوث دیکھنے گئے ۔ باہر سے آنے والے تمام طلباء اور وفود یہی ٹھہرتے ہیں ۔ دعوت و ارشاد کے سہ ماہی تربیتی

پروگرام میں شرکت کیلئے پاکستان سے گیا ہوا پندرہ رکنی علماء کا گروپ یہی سکونت اختیار کئے ہوئے ہے، ہم علماء کرام سے ملنے ان کے کمروں میں گئے اور خاصی دیر ان کے ساتھ گزاری۔

۱۹ مئی کو ہم ،،المجلس الاعلیٰ“ کی موٹر میں اسماعیلیہ دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے۔ جناب فواد (پروٹوکول آفیسر) اور جناب ابراہیم مصری (جو پاکستانی سفارتخانہ میں اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر ہیں) بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ابراہیم صاحب قاہرہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں۔ اسلامی علوم اور تاریخ پر خاصی نظر رکھتے ہیں اسلئے سفر بہت اچھا گذرا۔ اسماعیلیہ کو مصر کی جنگی تاریخ میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اسی شہر میں امن معاہدہ کیلئے ابتدائی گفتگو ہوئی۔ اور یہیں سے رمضان المبارک ۱۹۷۳ میں مصری فوج نے سویز عبور کر کے ایک کامیاب حملہ کر کے بعد اپنا علاقہ خالی کروا لیا تھا۔ فی الواقع یہ نہایت مشکل معرکہ تھا جسے مصریوں نے نہایت جوانمردی اور جذبہ حب الوطنی سے سر کیا۔

اسماعیلیہ میں گورنر صوبہ سے بھی ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ملاقات اگرچہ مختصر تھی مگر نہایت خوشگوار۔ گورنر صاحب نے جاننا چاہا کہ پاکستان میں اسلام کب داخل ہوا۔ میں نے محمد بن قاسم کی آمد اور فتح سندھ کے پس منظر پر مشتمل مختصر جواب دیا جناب گورنر نے جناب زاہد اشرف صاحب کو اور مجھے اسماعیلیہ کے نشانات عطا کئے۔

۲۵ مئی کو ہم فراغتہ مصر کا اولین دارالحکومت الاقصر دیکھنے کیلئے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہوئے۔ علی الصباح ہی ہم وہاں پہنچ گئے۔ سب سے پہلے ہمیں وہ قبریں دکھائی گئیں، جہاں کچھ فراغتہ مصر اور ملکائیں تابوت میں محفوظ کر کے رکھی گئی تھیں، یہ قبریں پہاڑوں کے اندر کمروں کی شکل میں ہیں۔

شام کو فراغ نہ مصر کا وہ معبد دیکھا جسکی تعمیر پر پندرہ سو سال کا عرصہ صرف ہوا۔ اس میں ہماری شاہی مسجد کے میناروں جتنے بے شمار ستون ہیں اور ہر ستون پر کچھ عبارتیں اشارات کی زبان میں درج ہیں، یہ بہت بڑا معبد ہے، جس میں مختلف شکلوں کے طویل قامت بت رکھے ہوئے ہیں، جو مرور زمانہ سے اب کہیں کہیں سے ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں۔

۲۱ مئی قاہرہ میں ہمارا آخری دن تھا (۲۲ مئی کو ہم نے عمرہ کے لئے جدہ روانہ ہونا تھا)۔ اس دن ہم نے میدان التحریر میں واقع میوزیم کی سیر کی۔ یہ بہت بڑا میوزیم ہے جسے دیکھنے کیلئے کم از کم پورا دن چاہیئے۔ اسی میوزیم میں فرعون کی لاش محفوظ ہے۔ ہم اسے تو دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن دیگر کئی لاشیں دیکھیں جو گپڑے کی پٹیوں میں لپٹی ہوئی تھیں۔ اور ان کے چہرے کسی دھات کے خول سے ڈھکے ہوئے تھے اور اُس خول پر لاش سے متعلق معلومات درج تھیں۔

ضمناً یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ جاتے وقت ادارہ کی طرف سے مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ میں قیام قاہرہ کے دوران ادارہ کی لائبریری کیلئے مفید کتابیں بھی خریدوں۔ ہر چند کہ وقت مختصر تھا اور مصروفیت بہت زیادہ لیکن رات کو بازار کھلے رہنے سے ہم نے خوب فائدہ اٹھایا اور جناب زاہد اشرف صاحب اور جامعۃ الازہر میں زیر تعلیم پاکستانی طالب علم مولانا تاج الدین صاحب کے تعاون سے تقریباً سات سو کتابیں خریدیں۔

میرا یہ دورہ قاہرہ، „المجلس الاعلیٰ“ کی دعوت پر تھا مگر ادارہ کے تعاون کے بغیر اس کا امکان نہیں تھا۔ چنانچہ اسکے لئے ادارہ تحقیقات اسلامی کا بے حد شکر گزار ہوں کہ مجھے اس معلوماتی سفر کے لئے ضروری سہولت مہیا کی گئی۔ اس مطالعاتی دورہ کیلئے

جس انداز سے ،،المجلس الاعلیٰ، کے چیئرمین اور دیگر کارکنوں نے ہماری پذیرائی کی وہ لائق صد شکر ہے۔ جناب فؤاد اور جناب عطیہ صاحب نے تاریخی مقامات سے متعارف کسرانے کیلئے جس انداز سے ہمارے ساتھ تعاون کیا اور حق میزبانی ادا کیا وہ نہایت قابل ستائش ہے۔ اللہ جل شانہ جزائے خیر عطا فرمائے۔

ڈاکٹر اسماعیل فاروقی

دنیا بھر کے علمی اور دینی حلقوں میں یہ خبر نہایت افسوس اور غم و اندوہ کے ساتھ سنی گئی کہ کسی دشمن علم و انسانیت نے عالم اسلام کے نامور مفکر ، فلسفی اور خادم اسلام ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی کو چھری کے پے در پے وار کر کے شہید کر دیا۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ ڈاکٹر لمیاء فاروقی کو بھی شہید کر دیا گیا۔ ڈاکٹر فاروقی دنیا بھر کے مسلمان دانشوروں کے لیئے عموماً اور مغربی ممالک میں مقیم مسلمان طلبہ اور اساتذہ کے لیئے خصوصاً ایک بڑے فکری سہارے کی حیثیت رکھتے تھے، مغربی تہذیب و تمدن اور جدید لادینی علوم و فنون پر ان کی معركة الاراء علمی تنقیدوں نے دنیا بھر کے اہل علم سے اپنا لوہا منوا لیا تھا ،

ڈاکٹر اسماعیل فاروقی گو اصلاً فلسطینی تھے اور اب کئی عشروں سے امریکی شہریت کے حامل تھے لیکن پاکستان سے ان کو خاص انس تھا۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک وہ ادارہ تحقیقات اسلامی سے وابستہ رہے اور ادارہ کے نوجوان محققین کی تربیت اور اعلیٰ تعلیم کی نگرانی کرتے رہے۔ ان کے تخصص کا اصل میدان تقابل ادیان اور بالخصوص مسیحیت اور مسیحی اخلاقیات کے موضوعات تھے۔ مسیحی اخلاقیات پر ان کی عالمانہ اور محققانہ تصانیف کی علمی حیثیت اور مقام کا اعتراف خود مسیحی اہل علم بھی کرتے ہیں۔

مسیحیت کے فلسفہ اخلاق پر ان کی بھر پور تنقیدیں غالباً جدید دنیائے اسلام میں مسیحیت کے ناقدانہ اور علمی مطالعہ کی پہلی اور ابھی تک آخری مثال ہیں۔

گذشتہ چند سال سے انہوں نے مغربی علوم و فنون کی اسلامی خطوط پر تدوین نو کی جدوجہد شروع کی تھی، اس کے لیئے دنیائے اسلام میں وہ ایک ایسی لہر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس کے اثرات آج مسلم ممالک کی علمی اور فکری زندگی میں محسوس کیئے جا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کو ان کا خصوصی تعاون حاصل تھا۔ جنوری ۱۹۸۲ء میں ان کے تعاون سے یونیورسٹی نے ایک بین الاقوامی مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا جس سے بہت سے مغربی علوم و فنون کی اسلامی تنقید کے میدان میں خاصی پیشرفت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر فاروقی نے اس اہم خدمت کے لئے امریکا میں ایک ادارہ بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ برائے فکر اسلامی کے نام سے بھی قائم کیا تھا۔ ہماری دعا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے جانشین اس ادارہ کو انہی خطوط پر چلانے کی کوشش کریں گے جو ڈاکٹر شہید کے پیش نظر تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

مولانا سید احمد سعید کاظمی

قحط الرجال کے اس دور میں جب کوئی شخصیت دنیا سے اٹھتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب جو خلا پیدا ہوا ہے وہ شاید کبھی بھی پر نہ ہوگا۔ یوں تو یہ خلا زندگی کے ہر میدان میں نظر آ رہا ہے لیکن دینی علوم میں اس کے اثرات بدقسمتی سے بہت نمایاں ہیں۔ پرانی طرز کے وہ علماء جو تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور تصوف کے ساتھ ساتھ معقولات و فلسفہ میں بھی ماہرانہ بصیرت کے حامل تھے رفتہ رفتہ اٹھتے جا رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں ملک کے نامور

مفکر، مفسر قرآن اور محدث حضرت مولانا سید احمد سعید کاظمی کی رحلت کے نتیجہ میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ دیر تک پر ہونے کی توقع نہیں معلوم ہوتی۔

علامہ کاظمی نے نصف صدی سے زائد مدت تک تعلیم و تدریس کی جو شمع روشن کی اس کی ضیاء پاشیاں ملک و ملت کو عرصہ تک منور کرتی رہیں گی۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور ہو یا ملتان کا مدرسہ انوار العلوم، ہر جگہ طالبان علم ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہوتے رہے۔ علاوہ ازیں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن کی حیثیت سے آپ نے ملک میں نفاذ اسلام کی مہم میں بھی اپنا قائدانہ حصہ ادا کیا۔

ادارہ کے ارکان کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ ترین درجات سے نوازے اور ملک و ملت کو ان کی تصنیفی برکات سے متمتع ہونے کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔
